برصغیر پاک و ہند میں مثنوی معنوی سے اعتناء

اختر راہی

بر صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی علمی اور فکری روایات کی تشکیل میں باستثناء جن کتابوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے ان میں سے ایک مولانا جلال الدین رومی (۶۰۴ھ— ۶۷۲ھ) کی مثنوی معنوی بھی ہے۔ مثنوی کو مولانا روم کی زندگی ہی میں قبول عام حاصل ہوگیا تھا اور اس کی شہرت ایشیائے کوچک سے نکل کر ایران اور وسط ایشیا تک پھیل گئی تھی۔

برصغیر میں مثنوی کا فیضان کب پہنچا ؟ اگر مولانا شبلی نعمانی (م۱۳۳۲ھ) کی یہ رائے درست تسلیم کر لی جائے کہ پانی پت کے مشہور بزرگ شاہ بوعلی قلندر (م۷۲۴ھ) مدت تک مولانا روم کی ہم نشینی سے مستفید ہوئے تھے(۱) تو مثنوی معنوی کا ساتویں صدی ہجری میں برصغیر میں آجانا یقینی ہے۔ تاہم شاہ بو علی قلندر سے مطالعہ مثنوی کی کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی۔ اس کا سبب غالباً یہ ہے کہ موصوف پر جذب کا غلبہ تھا اور انہیں قلم و قرطاس سے بھی چنداں تعلق نہ تھا۔ ان کی طرف جو ایک رسالہ منسوب ہے اس کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دھلوی (م۱۰۵۲ھ) نے لکھا ہے کہ :

''ظاہر آنست کہ از مخترعات عوام است،،(۲)

مثنوی معنوی سے دلچسپی کا واضح اظہار جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ میں ملتا ہے۔ ابو الفضل (م۱۰۱۱ھ) جب اکبر کے ساتھ میدان پکھلی سے گزر رہا تھا تو اپنے فارغ اوقات مثنوی مولانا روم کے مطالعہ میں صرف

سے سوفی لکھنا محل نظر ہے کیونکہ قدیم ترین عربی کتابوں (''کتاب اللمع،، مصنفہ ابو النصر عبداللہ بن علی السراج طوسی متوفی ۳۷۸ھ،، اور ''رسالۃ القشیریہ،، مصنفہ قشیری متوفی ۴۶۵ھ) میں ''سین،، سے 'ص، میں تبدیلی کی سند نہیں ملتی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سوفی جس کے معنی دانش کے ہیں صوفی سے معنوی لحاظ سے بھی ممیز ہے۔ فارسی زبان میں سوفی اور سوف دونوں بمعنی حکمت اور حکیم کے مستعمل ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ لفظ یونانی میں سوفی سے مراد فلسفی تو ہو سکتا ہے مگر صوفی نہیں۔

مولانا شبلی نے ابوریحان البیرونی کے حوالہ سے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ یونانی کتب کا ترجمہ دوسری صدی ہجری میں ہوا جس کے بعد یہ لفظ یونانی سے عربی میں منتقل ہوا۔ اس سلسلہ میں مولانا کی ایک اور کتاب المامون ملاحظہ کریں جس میں لکھا ہے کہ یونانی کتابوں کا ترجمہ مامون رشید کے دور میں ہوا ہے۔ مامون رشید کا دور تیسری صدی ہے نہ کہ دوسری صدی ہجری جبکہ یہ لفظ صوفی عربی میں پہلے ہی سے رائج تھا۔ ابوھاشم کوفی الصوفی متوفی ۱۵۰ھ اور ابو جمزہ محمد بن ابراھیم المتوفی ۱۶۹ھ کے بارے میں صوفی کا لفظ مستعمل تھا۔ اس زمانہ میں قسطابن لوقا ایک عیسائی فلاسفر اپنے شوق سے روم گیا اور فنون حکمت کی بہت سی کتابیں ساتھ لایا۔ پہلی مرتبہ جب یونانی کتب بغداد آئیں تو مامون کو اس کا حال معلوم ہوا۔ اسے بلا بھیجا اور بیت الحکمۃ میں ترجمہ کے کام پر مأمور کیا۔ اس دور کے بڑے بڑے مترجم مثلاً حجاج بن یوسف کوفی۔ قسطابن لوقا بعلبکی۔ ابو حسان۔ سلمان۔ حنین بن اسحاق۔ سہیل بن مروان۔ ابو جعفر یحیی بن عدی۔ محمد بن موسی خوارزمی۔ حسن بن شاکر۔ احمد بن شاکر۔ علی ابن العباس احمد جوھری۔ یعقوب کندی۔ یوحنا بن ماسویہ۔ ابن البطریق۔ محمد بن شاکر۔ یحیی بن ابی المنصور وغیرہ مامون کے دربار کے

مشہور مترجم اور بیت الحکمۃ کے مہتمم تھے ۔ بعض مترجم ہونے کے علاوہ حکیم اور مجتہد الفن بھی تھے ۔ (کتاب المامون ۔ مولانا شبلی نعمانی ۔ ص ۱۶۵)

مولانا شبلی نے کتاب الغزالی میں ایک اور جگہ امام موصوف کے حوالہ سے لکھا ھے ۔ ''اس لفظ کے اشتقاق کے بارے میں تین رائیں ھیں ۔ بعض کا قول ھے کہ صحابہ رضی اللہ عنھم میں سے جو لوگ ''اھل صفہ'' کہلاتے تھے یہ ان کی طرف نسبت ھے ۔ بعض کے نزدیک اس کا ماخذ ''صفا'' ھے اور بعض کے نزدیک '' صف'' ۔ لیکن قاعدہ اشتقاق کی رو سے یہ تمام اقوال غلط ھیں ۔ یہ احتمال ہو سکتا ھے کہ یہ لفظ ''صوف'' سے ماخوذ ھو جس کے معنی پشمینہ کے ھیں ۔ امام غزالی کے اس قول سے مستنبط ھوتا ھے کہ صوفی کو لفظ صوف سے نسبت دی جاتی رھی ھوگی ۔ مگر آپ صوف کے لباس سے زیادہ صفائی باطن پر دھیان فرماتے تھے'' ۔ (ص ۱۴۷)

شیخ ابو النصر سراج المتوفی ۳۷۸ھ کی معروف کتاب 'اللمع' جو تیسری صدی ھجری کے اوائل میں تحریر کی گئی تھی اس کے تیرھویں باب ''کتاب تفسیر الشطحیات و الکلمات التی ظاھرھا مستشنع و باطنھا صحیح مستقیم'' میں تحریر ھے ''یہ لفظ حسن بصری کے زمانہ میں رائج تھا ۔ اور ان کا زمانہ بعض صحابیوں سے معاصرت کا تھا ۔ چنانچہ ان کے اور سفیان ثوری کے اقوال میں یہ لفظ صوفی استعمال ھوا'' ۔

کتاب اخبار مکہ میں جو روایت محمد بن اسحق بن یسار سے ھے اس سے معلوم ھوتا ھے کہ یہ لفظ عہد اسلام سے پیشتر ھی معروف تھا اور عابد و برگزیدہ اشخاص کے لئے استعمال ھوتا تھا (تصوف اسلام ۔ مولانا عبد الماجد دریا بادی ص ۔ ۲۲) ابو الحسن سری سقطی المتوفی ۲۵۳ھ جو کہ بغداد کے پہلے مجتہد اور فقیہہ بزرگ تھے کا خیال تھا کہ 'صوفی' صفا سے مشتق ھے

اور اس کا اطلاق صفا پر ہوتا ہے مگر ایک جگہ فرماتے ہیں کہ صفا سے مراد صفاء باطن ہے نہ کہ صفاء ظاہر۔ (تصوف اسلام۔ مولانا عبدالماجد دریابادی)

شیخ علی بن عثمان ہجویری المتوفی ۴۶۵ھ اپنی معروف زمانہ کتاب کشف المحجوب میں لفظ صوفی کے اشتقاق پر بحث میں فرماتے ہیں ''اس نام کی تحقیق میں لوگوں کے مختلف خیالات ہیں۔ ایک خیال کے مطابق صوفی ان لوگوں کے گروہ سے منسوب ہے جو جامہ صوف پہنتے تھے۔ بعض کے خیال کے مطابق صوفی کا ماخذ صف اول کے لوگوں سے ہے۔ اور انہی کو صوفی لقب سے موسوم کیا گیا۔ ایک گروہ کا مسلک ہے کہ اصحاب صفہ کی پاک صفات کی وجہ سے ان کو صوفی کہا جانے لگا۔ ایک اور جماعت اس لفظ کا مخرج صفا بتاتی ہے۔ ہر گروہ اپنی تائید میں خوب نکتے پیدا کرتا ہے۔ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ لغت سے کسی بھی قول کی تائید نہیں ہوتی،،۔

شیخ کے قول کے بموجب صوفی وہ کہلانے کا مستحق ہے جس کا قلب صفا (صفائی) سے لبریز ہو۔ اور کدر (گندگی) سے خالی ہو۔ آپ ان کے الفاظ انہی کی زبان میں پڑھئے۔

صفا ضد کدر بود و کدر صفت بشر بود
وجہ حقیقت صوفی بود آنکہ او را زکدر گزر بود
(کشف المحجوب)

کشف المحجوب میں باب ''صحابہ کرام۔ اہل طریقت کے پیشوا،، جس میں خلفاء اربعہ کا ذکر ہے حضرت ہجویری فرماتے ہیں ''صحابہ کرام رض میں صوفیہ کے پیشوائے اعظم امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رض ہیں۔ آپ اسلام کے گل سر سبد، اہل تجرید (وہ لوگ جو معمولی سے معمولی آلائشوں سے بھی اجتناب کے لئے کوشاں رہتے ہوں) کے امام اور اہل تفرید (وہ لوگ جو نہایت

باریک بینی کے ساتھ غلط کو صحیح سے الگ چھانتے رہتے ہوں) کے شہنشاہ ہیں۔ مشائخ رحمہم اللہ نے آپ کو صاحبان مشاہدہ میں مقدم رکھا ہے۔ حضرت عمر فاروق رض گدڑی پہنتے اور دین پر سختی سے عمل کرتے، صوفیہ کے مقتدا ہیں۔ دینی فراست، باریک بینی اور خدا کی محبت میں استغراق آپ کے ساتھ مخصوص ہے۔ آپ کے بارے میں حضورص کا فرمان ہے ''عمر کی زبان سے حق بات نکلتی ہے اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو عمر ہوگا''۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شرم و حیا و تسلیم و رضا میں صوفیہ کے امام ہیں۔ حضرت علی المرتضی کی راہ طریقت میں بڑی شان ہے اور ان کا مرتبہ بلند تر ہے۔ علم و فہم دین میں آپ کا مرتبہ مسلم ہے اور اصول حقیقت کے بیان اور وضاحت میں آپ بے نظیر ہیں۔ آپ کے لئے حضورص نے فرمایا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ)

کتاب تصوف اسلام میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے قدیم ترین صوفیہ کے اقوال اور تصوف کی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

''حضرت ذوالنون مصری المتوفی ۲۴۵ھ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ جب گفتار میں آتا ہے تو اس کی زبان حقائق کی ترجمانی کرتی ہے اور جب خاموش ہوتا ہے تو اس کے اعضا قطع علائق پر زبان حال سے شہادت دیتے ہیں۔

حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی المتوفی ۲۹۷ھ کا ارشاد منقول ہے کہ تصوف وہ صفت ہے جس میں بندہ کی اقامت کی گئی ہو۔ حضرت ابو الحسن نوری رح کا قول ہے کہ صوفی وہ شخص ہے جس کی روح آلائشوں سے پاک ہو چکی ہو اور وہ رب العزت کے حضور میں صف اول میں حاضر ہو۔ ''کشف المحجوب کے باب الملامت میں آیۂ قرآنی،، ولا یخافون لومۃ لائم ذالک فضل

اللہ یؤتیہ من یشاء (مائدہ آیت ۵۴) کی تفسیر میں طریق ملامت کی ستائش کی اور یہ دکھایا ہے کہ اہل حق راہ حق میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ خلق کی نظر میں رسوا اور مطعون ہو کر اپنی للہیت اور حق پرستی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں،،۔ (مولانا عبدالماجد دریابادی۔ تصوف اسلام)

تصوف کے موجودہ قدیم ترین ذخائر میں شہرت اور سند کا مرتبہ کتاب ''رسالۃ القشیریہ فی علم التصوف،، کو حاصل ہے جو کہ چوتھی صدی ہجری میں ابو القاسم قشیری نے تصنیف کی۔ اس رسالہ میں تصوف و تاریخ کے بیان میں درج ہے ''رسول کریمؐ کے زمانے میں مومن کے لئے صحابی سے بڑھ کر پر فخر اور پر فضل لفظ کوئی نہ تھا۔ چنانچہ اس وقت کے مسلمان اسی لفظ سے موسوم ہوتے تھے۔ اس کے بعد دوسری نسل چلی تو ان صحابہ کے صحابی ہوگئے جن کو تابعین کہا جانے لگا۔ پھر تابعین کے صحابیوں کو تبع تابعین کہنے لگے۔ اس کے بعد جب امت زیادہ پھیلی اور لوگ طرح طرح کے گروہوں میں بٹنے لگے تو جن لوگوں کو امور دین میں زیادہ انہماک ہوا ان کو ''عباد و زھاد،، کہنے لگے۔ لیکن جب بدعتوں کا ظہور ہوا اور فرقے الگ الگ ہو گئے تو ہر فرقہ اس کا مدعی ہوگیا کہ زیادہ عباد و زھاد اسی فرقہ میں ہیں۔ اس وقت اہل سنت کے اس طبقہ نے جو کہ ذکر الہی میں زیادہ مشغول و منہمک تھا اپنے لئے اہل تصوف کی اصطلاح قائم کرلی اور ہجرت کو ابھی دو صدیاں نہ ہوئی تھیں کہ یہ لقب اس طبقہ خواص کے اکابر کے لئے مخصوص کر دیا گیا،،

شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ (المتوفی ۵۷۲ھ) نیشاپور میں بہت بڑے دواخانہ کے مالک تھے۔ یکایک تمام دنیاوی دھندوں کو ترک کر کے درویشی اختیار کر لی۔ آپ نے معرکۃالآرا کتاب جو کہ تصوف کا خزانہ تھی ''کتاب

الطیر،، تحریر کی جو کہ مولانا جلال الدین رومی کی معروف مثنوی کے لئے نقش اول ثابت ہوئی۔ آپ بہت بڑے صوفی بزرگ تھے اور سلوک و عرفان کی وہ منازل طے کیں کہ طبقہ صوفیہ آپ کا معترف ہے۔ دولت غزنویہ کے آخر زمانہ میں حکیم سنائی نے 'حدیقہ، لکھی جو نظم میں تصوف کی پہلی کتاب تھی۔ 'حدیقہ، کے بعد فرید الدین عطار نے متعدد مثنویاں تصوف میں لکھیں جن میں ''منطق الطیر،، نے عالمی شہرت حاصل کی۔ اس امر کی شہادت موجود ہے کہ خواجہ فرید الدین عطار کی تصانیف ہی مولانا رومی کے لئے دلیل راہ بنیں،، (سوانح مولانا روم مرتبہ عابد علی عابد۔ صفحہ ۸۶)

حضرت سہیل بن عبداللہ التستری (المتوفی ۲۸۳ھ) حضرت ذوالنون کے ہم عصر تھے۔ اکابر صوفیہ میں سے تھے۔ آپ نے حسن خلاق کے بارے میں بتایا کہ ادنی ترین اخلاق تحمل اور ترک مکافات ہے۔ ظالم پر رحم اور اس کے لئے دعا متصوفین کے اخلاق میں سے ہے۔ (کتاب المریدین۔ ضیاءالدین سہروردی) محمد بن علی جعفر الکنانی المعروف ابوبکر کنانی (المتوفی ۳۲۷ھ) کا وطن بغداد تھا۔ مکہ میں سکونت اختیار کی۔ کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کو سراج الحرم کہا جاتا تھا۔ حضرت حزاز رح المتوفی ۲۷۷ھ اور حضرت جنید بغدادی رح المتوفی ۲۹۷ھ کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ آپ کے خیال میں تصوف نام ہی اخلاق کا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہوں گے اس کا تصوف زیادہ ہوگا۔ (کتاب المریدین ص ۳۵۔ شیخ ضیاءالدین سہروردی)

حضرت ابو حفص حداد المتوفی ۲۶۵ھ نیشاپور کے تھے۔ شیخ خراسان کہلاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت جنیدرح نے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے اصحاب کو سلاطین کا ادب سکھایا۔ تو انھوں نے کہا نہیں۔ جنید رح۔ اگر ظاہر میں حسن ادب ہو تو وہ باطن کے حسن ادب کا عنوان بن جاتا ہے۔

(کتاب المریدین ص ۳۱ - شیخ ضیاءالدین سہروردی)

حضرت ابراھیم بن شعبان کنیت ابواسحاق المتوفی ۳۴۸ھ مشائخ صوفیہ میں نامی گرامی تھے - آپ کا قول تھا کہ ھم اس شخص کو اپنی صحبت میں نہیں رکھتے جو کہے میرا کام ھے - صوفی نہ کسی کو عاریت دیتا ھے نہ عاریت لیتا ھے - (کتاب المریدین - ص ۴۷ - شیخ ضیاءالدین سہروردی) -

حضرت علی بن بندا کنیت ابوالحسن نیشا پوری المتوفی ۳۸۹، آپ نے نیشاپور میں ابوعثمان اور ابوالحفص سے سمرقند میں حضرت محمد فضل اور بلخ میں محمد بن حامد، جوزجان میں ابو علی جوزجانی، بغداد میں حضرت جنیدرح وغیرہ سے صحبت حاصل کی - آپ نے فرمایا تم کسی انسان کی صحبت اختیار کرو تو اس کی عقل کو اس کے دین سے زیادہ پرکھو کیونکہ دین اس کے لئے ھے اور عقل تمہارے لئے- ایسے شخص کی صحبت نا صحت بخش ھے جس کی توجہ دنیا، اور نفس اور خواھشات میں لگی ھو- (کتاب المریدین - ص ۵۰ شیخ ضیاءالدین- سہروردی)

شیخ عبدالقادر جیلانی صوفیہ کرام میں مقبول انام ھیں- تیرھویں پشت میں حضرت علی کرم اللہ سے آپ کا نسب نامہ جا ملتا ھے - آپ کی تصانیف غنیۃ الطالبین فتح الغیب، الفتح الربانی وغیرہ ھیں - اور یہ مواعظ حسنہ علم تصوف تزکیہ نفس و باطن پر طالبان طریقت و حقیقت اسلام کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ھیں - آپ نے فرمایا ھے کہ ”تصوف میں قلب کی تمام کدورتوں کو صاف رکھنا از بس ضروری ھے - جس میں رضائے اسحق، صبر ایوب، خوف موسی، اور فقر حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ھو وہ راہ تصوف پر گامزن کیسے ھو سکتا ھے -“ (سیرت غوث اعظم)

چھٹی صدی ھجری میں ھندوستان میں محمد بن احمد بن علی پیدا ھوئے جو نظام الدین اولیا کے نام سے پاک و ھند کے گوشہ گوشہ میں معروف و مشہور

ھیں ۔ آپ نے حضرت شیخ فرید الدین سے بیعت کی اور آپ کی فیض رسانی سے ھند و پاک کا ھر مکان و قطعہ منور ھو گیا ۔ علاءالدین خلجی کا دور تھا ۔ بادشاہ نے کئی مرتبہ اس صوفی بزرگ کے بوسہ آستانہ کی اجازت چاھی مگر سلطان الاصفیاء نے منظور نہ کیا (اذکار ابرار ترجمہ گلزار ابرار۔ ص ۸۲)

مخدوم شیخ شرف الحق اپنی کتاب ''مکتوبات صدی،، (باب دراصل تصوف ص ۸۳) میں لکھتے ھیں ''اگر تصوف کی ابتدا پر غور کروگے تو اس کو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت میں پاؤ گے ۔ اس عالم میں پہلے صوفی حضرت آدم علیہ السلام تھے ۔ ان کو حق تعالی نے خاک سے پیدا کیا ۔ پھر حضرت آدم نے خدا کا کہنا نہ مانا ۔ جیساکہ قرآن میں آیا ۔ وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ (آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بہک گیا ۔) پھر آدم نے توبہ کی اور کہا ''ربنا ظلمنا انفسنا،، (اے ھمارے رب ھم نے اپنے نفس پر ظلم کیا) ۔ صوفیوں کے استغفار کی اصل یہیں سے شروع ھوتی ھے ۔ تین سو برس اس جہان خاکی میں گریہ و زاری کرتے رھے ۔ پھر دریائے رحمت جوش میں آیا اور درجہ اصطفیٰ عطا کیا گیا،، ''ان اللہ اصطفیٰ آدم،، اب کیا تھا تصفیہ کامل ھو گیا ۔ صوفی صافی بن گئے ۔ چانچہ نسلاً بعد نسل اسی پر عمل ھوتا رھا ۔ تصوف کی دولت ایک نبی سے دوسرے نبی میں منتقل ھوتی رھی ۔ صوفیوں کا یہ بھی معمول ھے کہ کسی خاص جگہ بیٹھ کر آپس میں راز و نیاز کی باتیں کرتے ھیں ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دنیا میں صرف ایک کمل پر اکتفا کیا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود ھمیشہ کمل رکھا ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ھمیشہ جامہ صوف پہنتے تھے ۔ حضرت موسیٰ نے بیت المقدس کو خانقاہ بنایا ۔ یہاں اسرار الہی بیان کئے جاتے تھے ۔ پھر ھمارے محمد رسول اللہ کا ورود مسعود ھوا ۔ حضورؐ نے بھی وھی طریقہ استعمال کیا ۔ ملة ابیکم ابراھیم

(تمہارے باپ ابراھیم کا یہی طریقہ تھا) آپ نے خود کو گوشہ مسجد نبوی میں معتکف کرلیا۔ اصحاب میں جو سالکان راہ طریقت تھے ان سے دین، راز و نیاز کی باتیں ہوتیں۔ یہاں وہ رموز و اسرار الہی کے تذکرہ ہوتے جو بڑے بڑے فصحائے عرب کے ذھن سے بالا تھے۔ مروی ہے جب آپ کسی صحابی کی عزت و تکریم فرماتے تو ان کو ردائے مبارک یا اپنا پیراھن شریف عنایت فرماتے۔ وہ شخص صحابہ میں صوفی سمجھا جاتا جس کو پیراھن عطا ہوتا،،۔

جب حضور رحمۃ للعالمین دنیا سے رخصت ہوئے تو اسلام میں کافی تعداد نو مسلموں کی داخل ہوئی جن کا مذاھب قدیم سے تعلق تھا۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جسم کو تکلیف و اذیت دے کر عبادت کرنا تطہیر روح کا موجب ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ روح اسی وقت جسم میں حلول کر سکتی ہے جب جسم ریاضت سے لبریز ہو۔ ایسے لوگوں نے اسلام میں داخل ہوکر زھاد و عباد کی تعداد میں اضافہ کیا جو دنیا کی نعمتوں سے متنفر ہو گئے۔ ان کا تصور تھا کہ جنت اور دنیا کی راھیں مختلف ھیں۔ جنت جب مل سکتی ہے جب دنیا ترک کردی جائے۔ بعض عبادت گزاروں نے دنیا سے رغبت ختم کردی۔ اور اپنی تمام زندگی عبادت الہی کے لئے وقف کردی۔ اس طرح کے لوگ خال خال تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ھی میں نمودار ہو گئے تھے۔ یہ لوگ پوری پوری رات نماز پڑھتے اور لگاتار روزہ رکھتے اور تجرد کی زندگی اختیار کرتے تھے۔ لیکن آپ انہیں اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین فرماتے۔

وقت کے ساتھ ساتھ ایسے صوفیہ کا ظہور ہوا جنہوں نے تصوف میں نئی تحقیقات کا دعویٰ کیا۔ اولاً نظریہ وحدت الوجود کا ارتقا ہوا۔ ثانیاً صوفیہ دعویٰ دار ہوگئے کہ جو دل محبت الہی سے معمور ہے اس کے لئے عبادت

و عصیاں برابر ہیں۔ ثالثاً نام نہاد صوفیہ کی شعبدہ بازیاں شروع ہو گئیں جو طریق تصوف کا جزو بن کر رہ گئیں۔ ان حالات میں تصوف میں نزاعی مسائل کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔ چنانچہ ان میں مختلف گروہ بن گئے۔ سب سے پہلا گروہ اشراقی بنا۔ ان کے اصول میں زہد و ورع اور ترک دنیا کے ساتھ تصوف کے تمام مسالک کی بنیادیں اشراقی خطوط پر استوار ہوتی تھیں۔ ان میں سے بعض تو حلول اور وحدت الوجود کو ماننے لگے۔ دوسرا گروہ حلولی کہلاتا تھا۔ یہ ذات الٰہی کے عنصر میں حلول کا قائل تھا۔ اور اس کا بانی مبانی حسین بن منصور حلاج المتوفی ۳۱۰ھ تھا۔ جو اناالحق یعنی میں خدا ہوں کا نعرہ لگاتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کو پھانسی کی سزا ملی۔ ایک اور گروہ جو وحدۃ الوجود کا قائل تھا اس کا خیال تھا کہ موجود صرف ایک ہی ہستی ہے۔ اور ایک سے زیادہ اشکال جو ہم دیکھ رہے ہیں یہ سب ذات موجود کی شکلیں نہیں ہیں بلکہ وجود محض کی اشکال مختلف صور جسمیہ میں نظر آتی ہیں۔ یہ تصور محمد بن علی بن احمد بن عبداللہ المعروف بہ ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ کا تھا۔ صوفیہ میں ایک جماعت ایسی بھی ہوئی جو شہود کی قائل ہوگئی۔ اس کا مذہب محبت تھا۔ ان میں خداوند عالم سے محبت اور اس سے ملنے کی خواہش بدرجہ اتم تھی۔ یہ لوگ محبت ہی کو بنیاد سمجھتے تھے۔ اس کی بگڑی ہوئی شکل صرف محبت رہ گئی وہ بھی خدا کی مخلوق کی اور اس میں بھی صرف خوش شکل مخلوق کی کیونکہ ان صوفیہ کو ان شکلوں میں خدا کی تجلی نظر آتی تھی۔ یہ لوگ کہتے تھے کہ اللہ سے مل جانا اور خالق و مخلوق کا اتحاد صرف محبت کے ذریعہ ممکن ہے،،۔ (تصوف اسلام۔ رئیس احمد جعفری)

پانچویں صدی ہجری میں صوفیہ کا اور زور بڑھ گیا۔ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں تو یہ لوگ زیادہ تر تقلید کے حامی بن گئے۔ تحقیق و فکر کی

مزید ضرورت نہ سمجھتے تھے۔ اس طرح صوفیہ نے عجیب و غریب طریقوں پر عقائد، صبر، توکل کو یکجا کرنے کی کوششیں کیں۔ اپنے اوپر قدغنیں لگائیں، اور ریاضتوں کے بار ڈالنے شروع کر دئیے۔ ظاہراً تو ان کا مقصد یہ تھا کہ خدا کا قرب حاصل ہو۔ مگر آگے چل کر ان میں تصنع آگیا۔

حضرت بہاءالحق زکریا چھٹی اور ساتویں صدی ہجری کے درمیان ملتان میں فروکش رہے۔ آپ بلادھند میں مکاشفات کے احوال میں بزرگ کامل تھے۔ آپ نے علم تصوف میں ایک کتاب ''بہایہ،، تصنیف فرمائی۔ آپ کا قول تھا نفس پاک ہوگا تو دل دھل جائے گا۔ اور واردات الہی دل پر نازل ہونا شروع ہوں گی۔ آپ کی ایک رباعی آپ کے مزار پر کندہ ہے۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند و عیال و خانماں را چہ کند

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

ترجمہ: جس نے تجھ کو پہچانا وہ جان سے بیزار ہوگیا اسے گھربار بال بچوں کی ضرورت نہیں۔ اپنے دیوانہ کو تونے دونوں جہاں بخشی دئیے۔ مگر جو ترا دیوانہ ہوا ہے اسے دونوں جہان کی ضرورت نہیں ہے۔

(کتاب ارض ملتان۔ شیخ اکرام الحق۔ باب صوفیائے ملتان)

حضرت امام غزالی (المتوفی ۵۰۵ھ) کے بعد بعض ایسے صوفیہ منصہ شہود پر آئے جنہوں نے تصوف کے ساتھ علم کلام اور الہیات کے مسائل کو پھر گڈ مڈ کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتحاد، وحدت الوجود اور شہود کے نظریات پیدا ہوئے۔ جب فقہاء نے صوفیہ کے ان رجحانات و میلانات کو

دیکھا تو اسے الحاد اور زندقہ سے تعبیر کرنا شروع کر دیا ۔ حافظ ابن قیم المتوفی ۷۵۱ھ نے صوفیہ کے کردار پر کڑی نکتہ چینی کی اور اس میں ذرہ برابر مداہنت گوارا نہیں کی ۔ محدث ابن جوزی کی تلبیس ابلیس اور امام ابن تیمیہ و حافظ ابن قیم و ابن اثیر کی تنقید تصوف پر تصانیف اسی کشمکش کا نتیجہ ہیں ۔

امام تقی الدین ابو العباس احمد ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ کے دور میں بگڑے ہوئے تصوف کے افکار و نظریات اپنے عروج پر تھے ۔ اور ان تمام نظریات و مسائل سے امام موصوف لڑتے رہے ۔ مصر و شام میں صوفیہ کا اقتدار کامل تھا ۔ سلطان ناصر نے ۷۲۶ھ میں امام ابن تیمیہ کو گرفتار کرکے قید میں ڈال دیا ۔ مگر صوفیوں کے خلاف ابن تیمیہ کتاب و سنت کو ہاتھ میں مظبوطی سے تھامے اتباع آثار سلف کی ترغیب دیتے رہے (حیات حافظ ابن تیمیہ ۔ باب تصوف ۔ پروفیسر ابو زہرہ مصری)

تدوین علوم ہی کے زمانے سے فقہاء اور صوفیہ کے مابین رفتہ رفتہ اختلافات پیدا ہونے شروع ہوگئے ۔ صوفیہ فقہاء کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ۔ صوفیہ غلو سے کام لیتے ۔ ان کا دعوی تھا کہ ہم معرفت خدا وندی اور ظاہری اعمال میں اپنے ضمیر کے فتوے پر عمل کرتے ہیں ۔ صوفیہ کا اعتماد اس معرفت پر تھا جو دل کی راہ سے حاصل ہوتی ہے ۔ حالانکہ قرآن اس معرفت کا داعی ہے جو بطریق نظر و استدلال حاصل ہو ۔ وہ ضمیر کو حکم مانتے تھے اور اس کے فیصلے کو اعمال کے بارے میں ناطق تصور کرتے تھے ۔

(حیات ابن قیم ۔ عبد العظیم عبد السلام شرف الدین)

دونوں فرقوں کی اس جنگ و جدل کے نتیجہ میں کئی علماء کو سزائیں بھگتنی پڑیں ۔ حضرت امام غزالی نے جب یہ رنگ دیکھا تو دینی دعوت کا

بیڑا اٹھایا ۔ فقہاء کے غیظ و غضب کو فرو کرنے میں آپ کی مساعی جمیلہ بار آور ثابت ہوئیں ۔ آپ نے لوگوں کے دلوں میں فقہ اور تصوف کی اصل منشا اور محبت کو اجاگر کرنے میں کسر نہ اٹھا رکھی ۔

صوفی اور تصوف کے بارے میں مختلف مکتبہ ہائے فکر نے اس کثرت سے خزائن علم جمع کئے ہیں کہ شمار میں نہیں لایا جا سکتا کیونکہ ذہنی خلش کی تشنہ کامی کو آسانی سے سیر نہیں کیا جا سکتا ۔ مرزا محمد قتیل کی تصانیف صرف و نحو، منطق و حکمت پر فارسی زبان میں بے انتہا ہیں ۔ آپ کی ایک کتاب ''ہفت تماشا،، ہے جس میں ہندوستان کے مذاہب اور مختلف فرقوں کے رسوم و عقائد تفصیل سے بیان کئے ہیں ۔ اس کتاب کے باب دوئم میں بیدانتیوں کے ذیل میں قتیل نے صوفیہ کا بھی ذکر کیا ہے ۔ ایک جگہ صوفیہ کے بارے میں محی الدین ابن عربی کی '' فصوص الحکم ،، کے حوالہ سے لکھا ہے ''اس جماعت کا ہر فرد اپنے تئیں خدا سمجھتا ہے ۔ صوفیوں کے اعمال وہی ہیں جو بیدانتیوں کے ہیں،، (رسالہ نقوش شمارہ مئی ۱۹۶۷ء)

علامہ شیخ محمد اقبال کے خیال کے مطابق مسلمانان ہند کے دل و دماغ پر عجمی تصوف غالب ہے ۔ وہ عربیت کے تخیلات سمجھنے سے قاصر ہیں۔ (اسرار خودی) عجمی تصوف جزو اسلام نہیں اس کے مرتبین بیشتر عجمی تھے ۔ تصوف ایک قسم کی رہبانیت ہے ۔ اس کے اثر سے اسلامی اقوام میں قوت عمل مفقود ہوگئی ۔ صوفی کا لفظ ہی رسول اللہ کے زمانہ میں موجود نہ تھا ۔ ۲۵۰ھ میں یہ لفظ سب سے پہلے سنا گیا اور استعمال ہوا ۔ رفتہ رفتہ صوفیہ کے عجمی حامیوں نے ایک ایسا اخلاق اور معاشرتی نصب العین پیدا کر دیا جو آخر کار مسلمانوں کی بربادی کا باعث ہوا ۔ (فیضان اقبال ۔ شورش کاشمیری) ۔

صوفیان کرام اور تصوف کے بارے میں دقیق مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ

یہ لفظ اور مسلک اپنے عروج پر بہت تیزی سے پہنچا۔ کیونکہ قرآن و سنت کے علمبردار ہی اس کو لے کر میدان عمل میں آئے۔ اس کے بعد جب کثرت سے دوسری قومیں مذہب اسلام میں ضم ہوتی گئیں تو وہ اپنے ساتھ کچھ کردار، تصورات اور عقائد لائیں۔ ان کے اختلاط سے نئے عقائد کا ظہور پذیر ہونا خلاف توقع نہ تھا۔ وہ قومیں ذہنی طور پر کچھ تو اس لئے تاکہ پرانے مسلمانوں سے عقائد میں پیچھے نہ رہ جائیں، کچھ اس لئے کہ پرانے مسلمانوں پر زہد و عبادت اور کثرت تقوی سے اپنی برتری ثابت کر سکیں، وحدت الوجود، وحدت شہود، اور اشراق جیسے نقطہ ہائے نظر اختیار کرکے ان کو نئے آب و رنگ کے ساتھ پیش کیا۔ اس کے بعد فقہاء نے صوفیہ کی بیخ کنی کی ٹھان لی اور عرصہ دراز تک عبرت انگیز اور روح فرسا واقعات جنگ و جدل ہوتے رہے۔ اس وقت سے صوفیانہ متفکرین کا انحطاط شروع ہوگیا۔ (تصوف اسلام باب دور زوال صوفیہ۔ رئیس احمد جعفری۔)

وہ تصوف جو روح اور قلب کی تطہیر کا بہترین ذریعہ تھا۔ ایک ایسا جامد اور زنگ خوردہ ادارہ بن گیا جو خود بھی صیقل سے محروم ہے اور جس سے دوسروں کو بھی جلا حاصل نہیں ہو سکتی۔